علمِ اسناد کا تعارف اور اُس کی حقیقت!

مولانا محمد اکمل جمال ژوبی
متخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

دینِ اسلام کا امتیاز ہے کہ اس کے تمام شرعی علوم اپنے کہنے والے کے ساتھ سند کے ذریعے قائم اور مربوط ہیں، اسی امتیازی خصوصیت کی بنیاد پر علومِ اسلامیہ کی استنادی حیثیت نہایت مضبوط ہے، اس کے برعکس دوسرے ادیان اور مذاہب کے بنیادی عقائد سے لے کر عام علوم تک کی حیثیت نہ صرف مشکوک بلکہ ناقابلِ اعتماد ہے۔

اسناد کی تعریف

لغت میں اسناد سے مراد ہے: اونچی زمین، پہاڑ یا بلندی پر چڑھنا، نیچے سے اوپر جانا۔[1]
عام اصطلاح میں ''رفع القول إلی قائلہٖ''یعنی قول کی نسبت اپنے کہنے والے کی طرف کرنے کا نام اسناد ہے۔

حدیث کی اصطلاح میں حافظ ابن جماعہؒ (۷۳۳ھ) اور علامہ طیبیؒ (۷۴۳ھ) نے اس کی تعریف ''ھو رفع الحدیث إلی قائلہٖ۔''[2] اور حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) اور علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (۹۰۲ھ) نے ''حکایۃ طریق المتن''[3] سے کی ہے، جن کا حاصل معنی تقریباً ایک نکلتا ہے، یعنی متن تک پہنچنا، کسی حدیث کی سند بیان کرنا، جبکہ سند سے مراد ہے راویوں کا وہ سلسلہ جو حدیث کے ابتدائی راوی سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تک پہنچتا ہے۔ اس کی مثال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۲۵۶ھ) کی اپنی صحیح میں بیان فرمودہ حدیث ہے:

''حدثنا مسدد، قال: حدثنا یحییٰ، عن شعبۃ، عن قتادۃ، عن أنس رضي اللّٰہ عنہ عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حتّٰی یُحبَّ لأَخیہِ ما یحبُّ لِنَفْسِہٖ۔''[4]

مذکورہ مثال میں متن آپ ﷺ کا قول: ''لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ'' حدیث ہے۔ طریق متن میں مذکور راوی یعنی مسدد، یحییٰ، شعبۃ، قتادہ، اور انس ہیں۔ اسناد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول: ''حدثنا

مسدد، قال: حدثنا يحيٰی، عن شعبة، عن قتادة، عن أنسؓ، عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم .‘‘ ہے۔ (۵)

حدیثی اصطلاح میں سند کو طریق (۶) اور وجہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ (۷)

اسناد کی اہمیت

اسناد دراصل کسی بھی علم کے قابلِ اعتماد ہونے یا نہ ہونے کا اہم ذریعہ ہے، خصوصاً علم حدیث میں کہ اس کے پورے ذخیرے کا دارمدار سند میں مذکور راویوں پر ہوتا ہے۔ راوی قابل اطمینان ہیں تو حدیث قابلِ قبول ہے، ورنہ نہیں، اس لیے مشہور حافظ علامہ ابوسعد السمعانی رحمۃ اللہ علیہ (۵۶۲ھ) ’’أدب الإملاء والاستملاء‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’وألفاظ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا بد لها من النقل، ولا تعرف صحتُها إلا بالإسناد الصحيح، والصحة في الإسناد لا تعرف إلا برواية الثقة عن الثقة والعدل عن العدل۔‘‘(۸)

’’آپ ﷺ کے ارشادات روایت کرنا ضروری ہے، اور ان کی صحت کی معرفت صحیح سند سے ہوسکتی ہے، اور سند کا صحیح ہونا اس طرح معلوم ہوگا کہ اس کے تمام راوی ثقہ اور عادل ہوں۔‘‘

اسناد کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ جن افراد کے ناموں کا مجموعہ ہے، ان کے واسطے سے ہمیں احادیث، تفسیر، اور شریعت کے دیگر مآخذ پہنچے ہیں۔ تو گویا آپ ﷺ کے ارشادات، صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور علمائے امت کے تفسیری اقوال کی صحت وعدمِ صحت کا مدار سند پر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دین سند پر موقوف ہے، اسی لیے عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ’’اَلْإِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ.‘‘(۹) یعنی سند بیان کرنے کا عمل دین کا حصہ ہے، اس لیے حاکم ’’معرفة علوم الحديث‘‘ میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۱ھ) کا مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

’’قال أبو عبد اللّٰه: فلولا الإسناد و طلب هٰذه الطائفة لهٗ وكثرة مواظبتهم علٰى حفظه لدرس منار الإسلام، ولتمكن أهل الإلحاد والبدع فيه بوضع الأحاديث، وقلب الأسانيد، فإن الأخبار إذا تعرت عن وجود الأسانيد فيها كانت بترا۔‘‘(۱۰)

’’اگر سند نہ ہوتی، اور سند کے سلسلے میں محدثین کا مذکورہ سخت طرزِ عمل نہ ہوتا تو اسلام کی علامت مٹ چکی ہوتی، جس کے نتیجے میں ملحدین اور اہلِ بدعت جھوٹی حدیثیں گھڑ کر اور اُلٹی سندیں پیش کرکے دین میں گھس جاتے، کیونکہ احادیث کو اسناد سے بے نیاز کردیا جائے تو ان کی بنیاد ختم ہوکر ناقص رہ جائیں گی۔‘‘

اسناد کی مذکورہ بالا اہمیت کے پیش نظر علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جاننا فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔ (۱۱)

اس لیے کہ سند کے بغیر آپ ﷺ کے ارشادات کی تصدیق وتحقیق مشکل تھی، اور فقہ اسلامی کا اصول ہے: ''مالا یتم الواجب إلا بہ فھو واجب'' کہ کوئی چیز فی نفسہٖ واجب نہ ہو، لیکن کسی اور واجب پر اس کے بغیر عمل درآمد ممکن نہ ہو تو وہ چیز بھی واجب ہو جائے گی، چونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل درآمد فرض ہے، اس لیے ان ارشادات کو جاننا بھی فرض ہے، اور ان ارشادات کو جانا نہیں جا سکتا، جب تک سند کا معاملہ صاف نہ ہو۔ (۱۲)

علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۳ھ) تو سند کے بغیر روایت کرنے کا نتیجہ سلبِ نعمت کا ذریعہ بتلاتے ہیں، علامہ عبدالحی کتانیؒ (۱۳۸۳ھ) اپنی کتاب ''فھرس الفھارس والإثبات'' میں ان کی سراج المریدین سے نقل کرتے ہیں:

''واللّٰہ أکرم ھٰذہٖ الأمۃ بالإسناد، لم یعطہ أحد غیرھا، فاحذروا أن تسلکوا مسلک الیھود والنصاری فتحدثوا بغیر إسناد، فتکونوا سالبین نعمۃ اللّٰہ عن أنفسکم.'' (۱۳)

''اللہ تعالیٰ نے اسناد کی خصوصیت سے صرف اس امت کو نوازا ہے، لہٰذا دین کی باتیں نقل کرنے میں یہود اور نصاریٰ کی روش پر نہ چلو کہ بغیر سند کے دینی باتیں سنانے لگو، ورنہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی یہ نعمت خود اپنے ہاتھوں گنوا بیٹھو گے۔''

اسناد کی روایت، آغاز اور ارتقاء

سند کی ابتداء صغار صحابہؓ کے زمانے میں اس وقت ہوئی، جب اسلامی ریاست داخلی فتنوں کی آماجگاہ بن گئی، مسلمانوں میں مختلف عقائد اور آراء رکھنے والی جماعتیں وجود میں آگئیں، جس کا اثر براہِ راست حدیثی روایات پر پڑا، تو ائمہ حدیث نے سند کا مطالبہ شروع کیا۔ مشہور تابعی امام محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

''لم یکونوا یسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنۃ قالوا: سموا لنا رجالکم، فینظر إلی أھل السنۃ فیؤخذ حدیثھم وینظر إلی أھل البدع فلا یؤخذ حدیثھم۔'' (۱۴)

''فتنوں کے نمودار ہونے سے پہلے سند کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا۔ جب فتنہ واقع ہو گیا تو ائمہ حدیث راویوں سے کہنے لگے: اپنے اساتذہ کا نام بتاؤ، چھان بین کے بعد اہلِ سنت رواۃ کی روایت قبول کرتے اور بدعتیوں کی رد کرتے تھے۔''

سند کے ابتدائی مطالبے کے سلسلے میں ایک واقعہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں بھی ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

''بشیر بن کعب عدوی حضرت ابن عباسؓ کی خدمت حاضر ہوکر احادیث سنانے لگا۔ آپ نے نہ اس کی حدیث سنی اور نہ اس کی جانب کوئی التفات کیا، بشیر بن کعب آپ کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر کہنے لگا: کیا بات ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ میری حدیث نہیں سن رہے، حالانکہ میں آپ ﷺ سے سنی ہوئی روایت بیان کررہا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرمانے لگے: ایک دور تھا کہ جب ہم کسی کی زبان سے ''قال رسول اللّٰہ ﷺ'' سنتے، تو ہماری نگاہیں اس کی جانب دوڑ پڑتی تھیں، اور ہم ہمہ تن گوش ہوجاتے تھے۔ اب جبکہ حالت بدل گئی، لوگوں میں اچھے برے کی تمیز نہیں رہی، تو ہم صرف انہیں باتوں کو قبول کریں گے، جو ہم پہلے جانتے تھے۔''(۱۵)

اسی سلسلے میں ایک روایت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) اپنی سند سے امام نخعیؒ (۹۶ھ) سے روایت کرتے ہیں:

''إنما سئل عن الإسناد أيام المختار، وسبب هٰذا: أنه كثر الكذب علىٰ عليٍّ ؓ في تلك الأيام۔''(۱۶)

فرماتے ہیں: اسناد کا مطالبہ سب سے پہلے مختار کے زمانے میں ہوا۔ سبب اس کا یہ ہوا کہ اس نے حضرت علیؓ پر جھوٹ بولنے میں حد کردی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دورِ صحابہؓ میں سند اپنے مفہوم ''رفع القول إلىٰ قائلهٖ'' کی شکل میں بھی نہیں تھی، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور سیرت کی نسبت آپ کی جانب کرتے تھے اور بعض تو آپ ﷺ کے نام نامی کے بجائے ایسا وصف ذکر کرتے تھے جو روایت کے متعلق عموماً ذہن میں آنے والے شبہات کو دور کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسناد کا مذکورہ طرزِ عمل آپ ﷺ سے سیکھا تھا، آپ ﷺ بسا اوقات اپنی باتوں کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف یا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے، احادیثِ قدسیہ اس کی واضح مثال ہیں۔

اسی طرح اس کا یہ مقصد بھی نہیں کہ اسی وقت ہی تمام احادیث سند کے ساتھ بیان ہونی لگیں، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب کوئی روایت آپ ﷺ سے براہِ راست نہیں سنی ہوتی، بلکہ کسی صحابیؓ سے سنی ہوتی تو اس کو بیان کرتے وقت سند ذکر نہیں کرتے تھے، چنانچہ صحابی رسول حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا:

''عن البراءؓ قال: ما كل ما نحدثكم عن رسول اللّٰہ ﷺ سمعناه منه، منه ما سمعناه، ومنه ما حدثنا أصحابنا، ونحن لا نكذب۔''(۱۷)

''ہم جتنی احادیث بیان کرتے ہیں وہ ساری ہم نے آپ سے نہیں سنی ہوتی، بلکہ کچھ تو وہ ہیں جو ہم نے آپ ﷺ سے سنی ہیں اور دیگر وہ ہیں جو ہمیں ہمارے ساتھیوں نے سنائی ہیں

اور ہم ان کی تکذیب نہیں کرتے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث بیان کرنے میں ہمیشہ سند ذکر کرنے کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ ویسے بھی سند کا مطالبہ صحابہؓ سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ صحابہؓ دوسروں سے سند کا مطالبہ کرتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو حدیث رسول کے متعلق اپنی دیانت اور سچائی کا اس قدر اعتماد تھا کہ جب ان سے سند کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ ناراضگی کا اظہار فرماتے، چنانچہ ابن الصلاح مقدمہ میں ذکر کرتے ہیں:

''وكان أنسؓ يغضب إذا سئل عن حديث أسمعه من النبي ﷺ، ويقول: ما كان بعضنا يكذب على بعض۔''(۱۸)

اسی طرح کی ایک روایت ابن عدیؒ (۳۶۵ھ) نے کامل میں لائی ہے، فرماتے ہیں:

''وذكر أنس حديثا، فقال له رجل: أنت سمعت عن رسول الله ﷺ؟ قال: نعم، أو حدثني من لا يكذب، والله ما كنا نكذب ولا ندري ما الكذب''(۱۹)

''ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث ذکر فرمائی، کسی نے کہا: آپ ﷺ سے سنی ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! مجھے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی ہے جو جھوٹ نہیں بولتا، پھر قسم کھا کر فرمایا: خدا کی قسم ہم جھوٹ نہیں بولتے تھے اور نہ جھوٹ کا ہمیں کچھ پتہ تھا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد جب تابعینؒ کا زمانہ آیا تو سند کا مطالبہ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ سید التابعین حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مراسیل کی سند کا مطالبہ کیا جانے لگا، ابن عدیؒ نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے:

''قال رجل للحسنؒ: إنك تحدثنا فتقول: قال رسول الله ﷺ، ولو كنت تسند إلى من حدثك؟ فقال له: إنا والله ما كذبنا ولا كذبنا، ولقد غزوت غزوة إلى خراسان ومعنا ثلثمائة من أصحاب محمد.''(۲۰)

''کسی نے حضرت حسن بصریؒ سے کہا: کہ آپ بلا واسطہ آپ ﷺ سے حدیث نقل کرتے ہیں، اگر آپ اپنے استاذ کا حوالہ دیا کریں؟ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: خدا کی قسم! نہ ہم نے جھوٹ بولا ہے، اور نہ ہمیں جھوٹی بات کہی گئی ہے۔ میں خراسان کے ایک غزوہ میں تین سو صحابہؓ کے ساتھ رہا ہوں (یعنی میں تمہیں کس کس کا نام بتاؤں کہ فلاں روایت میں نے کن کن سے سنی ہے)۔''

یحییٰ بن سعید قطانؒ (۱۹۸ھ) کی رائے میں زمانہ تابعین میں سب سے پہلے اسناد کا مطالبہ مشہور تابعی عامر بن شراحیل شعبیؒ (۱۰۳ھ) نے کیا، محدث رامہرمزیؒ (۳۶۰ھ) لکھتے ہیں:

''قرأ الربيع بن خيثم عليه حديثا، قال الشعبيؒ: فقلت: من حدثك؟ قال عمرو

بن ميمون، وقلت له: من حدثك؟ فقال: أبو أيوب صاحب رسول الله ﷺ. قال يحيىٰ بن سعيد: وهٰذا أول ما فتش عن الإسناد.''(۲۱)

''ربیع بن خیثمؒ (۶۵ھ) نے ان کے سامنے حدیث بیان کی، شعبیؒ کہتے ہیں: میں نے کہا: کس نے آپ سے بیان کیا ہے؟ کہا: عمرو بن میمون نے، اور میں نے ان سے (روایت لیتے وقت) پوچھا تھا کہ آپ سے کس نے بیان کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ ﷺ کے صحابی ابو ایوب انصاریؓ نے۔ اس کے بعد رامہرمزیؒ لکھتے ہیں: یحییٰ بن سعید نے کہا: یہ سند کے مطالبے کی ابتدا تھی۔''

بہر حال سند کے ساتھ حدیث بیان کرنے کی روایت دورِ صحابہؓ و تابعینؒ میں بھی تھی، مگر نسبتاً کم تھی، ان کا زمانہ گزرنے کے بعد جب وضعِ حدیث کا فتنہ عام ہو گیا اور زمانے کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تو سند کے ساتھ روایت ذکر کرنا ایک امر ناگزیر قرار پایا، یہاں تک کہ مشہور محدث امام زہری رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۲ھ) نے۔ جن کا تعلق صغارِ تابعینؒ کے طبقے سے ہے۔ بلا سند روایت بیان کرنے کو جرأت علی اللہ قرار دیا، حاکم نے ''معرفة علوم الحديث'' میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

''حدث عتبة بن أبي حكيم أنه كان عند إسحاق بن أبي فروة وعنده الزهري. قال: فجعل ابن أبي فروة يقول: قال رسول الله ﷺ، فقال له الزهريؒ: قاتلك الله يا ابن أبي فروة! ما جرأك على الله لا تسند حديثك؟ تحدثنا بأحاديث ليس لها خطم ولا أزمة.''(۲۲)

''زہریؒ اور ابن ابی فروۃ (۷۰ھ) دونوں کسی مجلس میں تھے، ابن ابی فروۃ (حدیث بیان کرتے ہوئے) کہنے لگا: ''قال رسول الله صلى الله عليه وسلم''۔ زہریؒ نے مخاطب کرتے ہوئے کہا: تیرا ناس ہو ابن ابی فروۃ! تعجب ہے تمہاری جرأت پر، حدیث کی سند نہیں ذکر کرتے؟ بے لگام احادیث بیان کر رہے ہو۔''

حاصل یہ کہ اسناد کی ابتدا دورِ صحابہؓ میں ہوئی، پھر کبارِ تابعین کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ رہا، یہاں تک کہ صغارِ تابعینؒ کے زمانے میں لازمی قرار پائی، چنانچہ سند کے ساتھ روایت اس عہد کا نمایاں طرزِ عمل رہا، جس کی اہمیت کا اندازہ زہریؒ کے مذکورہ بالا قول: ''**تحدثنا بأحاديث ليس لها خطم ولا أزمة**'' اور عبداللہ بن المبارکؒ کے قول: ''**الإسناد من الدين، لولا الإسناد لقال من شاء ماشاء**''(۲۳) سے معلوم ہوتا ہے۔

انہی حضرات کے معاصر، معروف محدث، امام محمد بن سیرینؒ کا قول بھی اس سلسلے میں مشہور ہے، فرماتے ہیں: ''**إن هٰذا العلمَ دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم**۔''(۲۴) ''یہ علم دین ہے،

پس تم دیکھو کہ کس سے یہ دین حاصل کر رہے ہو۔''

اس دور کے ائمہ حدیث: امام زہریؒ، ابن سیرینؒ اور ان کے معاصرین نہ صرف روایت کرنے میں سند کا التزام کرتے تھے، بلکہ بعض اوقات ادائیگی میں ایسا انداز اختیار فرماتے تھے، جس سے سامعین کے ذہنوں میں سند کی اہمیت بیٹھ جاتی تھی، چنانچہ اس عہد کے مشہور امام حدیث، امام اعمشؒ (۱۴۸ھ) کا طرزِ عمل ابن حبانؒ (۳۵۴ھ) نے ذکر کیا ہے: کہ وہ روایت بیان کرنے کے بعد فرماتے: ''**بقي رأس المال، حدثنا فلان عن فلان عن فلان.**''(۲۵) گویا وہ اپنے طرزِ ادا سے اس بات کا تصور کراتے کہ روایت میں سند اتنی ضروری ہے کہ اس کے بغیر حدیث تام اور قابلِ قبول نہیں ہوتی، جس طرح بیع (خرید وفروخت) بغیر راس المال کے پوری نہیں ہوتی۔

ائمہ حدیث کے ہاں سند کا مذکورہ التزام اسی طرح پانچویں صدی کے اول نصف تک رہا، جس کے مشہور محدثین میں امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ)، ابونعیمؒ (۴۳۰ھ) اور ابن مندہؒ (۴۷۰ھ) کے نام نمایاں ہیں۔ شام کے مشہور محدث علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ، علامہ لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) کی ''**الأجوبة الفاضلة**'' پر اپنی تعلیقات میں سند کے ساتھ روایت کرنے والے آخری محدث امام بیہقیؒ کو قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں کہ یہ طرزِ عمل صرف بیہقی کے ہاں ملتا ہے، ان کے بعد نسبتاً کم اس کی جھلک ضیاء مقدسی کے ہاں مختارۃ اور ابن عساکرؒ کے ہاں تاریخ دمشق میں نظر آتی ہے۔(۲۶)

سند زمانے کے ساتھ ساتھ لمبی ہوتی گئی، جو زمانہ دورِ رسالت کے قریب ہے، اس کی سندیں مختصر ہیں، اور جو زمانہ بعید ہے، وہاں سلسلۂ سند نسبتاً لمبا ہے، چنانچہ حدیثی کتابوں میں سب سے مختصر سند ''کتاب الآثار''، ''مسند امام اعظم'' اور ''مؤطا امام مالک'' کی ہیں، جبکہ سب سے لمبی سند بیہقیؒ (۴۵۸ھ) کی ہے، جس میں سات سے نو تک نام ہوتے ہیں۔

جب سند کا سلسلہ آگے بڑھا، اس میں مذکور راویوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، جس کی وجہ سے کسی راوی کا اپنے استاذ سے سماع کا یقینی طور پر معلوم ہونا مشکل ہوگیا، تو راویانِ حدیث کے طبقات مقرر کیے گئے، اور انہیں مختلف طبقات اور درجات میں تقسیم کر کے سند کے حوالے سے کوئی رائے قائم کرنے کے لیے بنیاد فراہم کر دی گئی، اس سلسلے میں کبار صحابہؓ سے صغار تبع تابعین کے زمانے تک کے راویوں کو بارہ طبقات پر تقسیم کر دیا گیا۔(۲۷)

طبقات متعین کرنے کی افادیت یہ ہے کہ جب کسی راوی کے طبقہ کا تعین ہوگا تو اس کے زمانے کا تعین آسان ہو جائے گا۔ زمانہ معلوم ہونے سے اس بات کے طے کرنے میں آسانی ہو جائے گی کہ اس راوی نے جس طبقے کے راوی سے روایت کی، وہ روایت ممکن بھی ہے کہ نہیں؟

اس کے بعد سند کے علم کو مزید ترقی دینے کے لیے علمِ رجال کا فن وجود میں آیا، محدثین نے

ہزاروں راویانِ حدیث کے حالاتِ زندگی، حصولِ علم اور طلبِ علم کی ہمہ معلومات مرتب کردیں، ثقہ اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے ان کا فرق بتادیا، ان کے درجات بنا کر سند کی چھان بین آسان کردی، سند کی بنیاد پر حدیث کو پرکھنے اور قبول کرنے کے لیے اصول اور ضوابط مقرر کیے، جو اُصولِ حدیث کے نام سے معروف ہیں۔

علمِ رجال کی تدوین کی وجہ یہ تھی کہ علمِ اسناد اور علمِ رجال کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ علمِ اسناد اس وقت سمجھ میں آسکتا ہے جب کہ رجال کی تفصیلات سامنے ہوں، اس لیے کہ حدیث کے خارجی نقد کی بنیاد علمِ روایت پر ہے، علمِ روایت کی اساس سند پر ہے اور سند کی اساس رجال پر ہے، رجال کی بنیاد پر حدیث کی سند کا تعین ہوگا اور سند کی بنیاد پر حدیث کے خارجی نقد پر بات ہوگی، جس کے نتیجے میں حدیث کا درجہ معلوم ہوگا۔ (۲۸)

علمِ رجال میں پھر علمِ جرح وتعدیل جو علمِ رجال کا ایک اہم شعبہ ہے، اس کا علمِ اسناد کے ساتھ نہایت مضبوط تعلق ہے، اس لیے کہ سند کے رجال سے متعلق عموماً دو پہلو زیرِ بحث آتے ہیں:

۱:.....ایک پہلو خود رجال کے بارے میں معلومات، ان کی شخصیت، کردار اور ان کی ذات سے متعلق امور، جیسے: ان کے نام، کنیت، نسبت اور پیدائش ووفات کی تفصیلات، اور ان کے اساتذہ، تلامذہ اور طبقہ ودرجہ کا تعین ہے، یہ علمِ رجال کا عام پہلو ہے۔

۲:.....دوسرا پہلو سند کے کسی راویِ حدیث کے قابلِ قبول یا ناقابلِ قبول ہونے کا فیصلہ، اس کے اصول وقواعد، اور ان اصول وقواعد کی روشنی میں بالآخر کسی راوی کے قابلِ قبول ہونے یا نہ ہونے کا حتمی فیصلہ جس فن کی روشنی میں کیا جاتا ہے، اس کو علمِ جرح وتعدیل کہا جاتا ہے۔

اسناد کی روایت اور مسلمانوں کی خصوصیت

احادیثِ رسول (علیہا الصلوٰۃ والسلام) کے متعلق محدثین کی احتیاط اور اہتمام کا مذکورہ بالا طرزِ عمل جو اسناد کے مطالبے کی شکل اختیار کرگیا، اس نے مسلمانوں میں احتیاط کا وہ ذوق پیدا کیا جو وقت کے ساتھ ساتھ ان کے علمی مزاج کا حصہ بن گیا، اور یہ اُن کی فطرتِ ثانیہ بن گئی کہ جو علمی بات کسی کے سامنے کہی جائے پوری سند کے ساتھ کہی جائے۔

مسلمانوں کے ہاں نہ صرف علمِ حدیث، بلکہ تمام علوم وفنون میں سند کی روایت رواج پذیر ہوگئی، چنانچہ تمام تفسیری روایات، سیرت ومغازی کا ہر ہر واقعہ، قراءات کا ایک ایک طریق، اور فقہ کا ایک ایک جزئیہ سند کے ساتھ محفوظ ہے۔ اور یہ طرزِ عمل علومِ دینیہ کے ساتھ ہی خاص نہ رہا، بلکہ ادب، شعر، بلاغت، صرف، نحو اور لغت سب کی سندیں محفوظ ہیں۔ سند کی مذکورہ روایت صرف مسلمانوں کی

خصوصیت ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو نوازا ہے، کسی اور قوم کے ہاں اس کا تصور بھی نہیں۔

خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) امام محمد بن حاتمؒ کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو اسناد کے اعزاز سے نوازا ہے، پہلے کی قدیم یا جدید، کسی امت کے ہاں یہ خصوصیت نہیں، ان کے ہاں وہ صحیفے ہیں جن میں انہوں نے اپنی باتیں ملائی ہیں، اور اپنی باتوں کو تورات وانجیل کے کلام سے جدا کرنے کا ان کے پاس کوئی پیمانہ نہیں۔''(۲۹)

علامہ ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) نے بھی ''الفصل في الملل والأهواء والنحل'' میں اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''کسی قابلِ اعتماد راوی کا اپنے ہی جیسے راوی سے بات نقل کرتے ہوئے آپ ﷺ تک پہنچانا، جس میں مذکورہ راوی اپنے استاذ کا نام اور نسب بھی بتائے، دونوں کی ذات، صفات، زمانہ اور مکان بھی متعین ہوں، راویوں کی راست بازی اور سچائی بھی نمایاں ہو، یہ تنہا مسلمانوں کی خصوصیت ہے۔''(۳۰)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) ''منهاج السنة'' میں رقم طراز ہیں:

''علمِ اسناد اور علمِ روایت - جس کی حیثیت علمِ درایت کے لیے زینے کی ہے- اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کی خصوصیت بنائی ہے، اس کے برعکس اہلِ کتاب اور اس اُمت کے راہ سے بھٹکے ہوئے بدعتی فرقوں کے ہاں نقل کرنے کے لیے اسناد کا کوئی پیمانہ نہیں۔''(۳۱)

اسناد صرف اہلِ اسلام اور اہلِ سنت پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے، جس سے وہ صحیح، غلط اور سیدھے ٹیڑھے کا فرق کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ تفصیل اور صراحت کے ساتھ اس کی وضاحت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۸ھ) کی اظہار الحق میں ہے، انہوں نے اس سلسلے میں ایک پوری فصل قائم فرمائی (۳۲) کہ اہلِ کتاب کے ساتھ عہدِ جدید اور عہدِ قدیم کی کتابوں کی کوئی سند نہیں۔ موصوف توریت سے لے کر اناجیلِ مشہورہ تک کی ساری کتابوں پر انتہائی تفصیل کے ساتھ (۵۹) صفحات پر مشتمل کلام کرنے کے بعد اس پوری بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

''مذکورہ تفصیل سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ اہلِ کتاب کے پاس نہ عہدِ قدیم کی کتابوں کی کوئی سند ہے اور نہ عہدِ جدید کی۔''(۳۳)

سند کے فوائد

۱:.....سند کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ راوی کا نام رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے

والوں کے ساتھ ہمیشہ پیوستہ رہتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آدمی کی نسبت قائم ہو جاتی ہے۔

۲:.....مطابع کی ایجاد سے پہلے سند کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ راوی کو گزشتہ تمام شیوخ کی یافت و دریافت اور تحقیقات کی نشر و اشاعت کا حق حاصل ہو جاتا تھا۔

۳:.....سند کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ سند جعل سازی سے حفاظت کی ضامن ہے۔ سند سے جعل سازی کی قلعی کھل جاتی ہے، اور سند اس بات کا شاہد ہے کہ اس کے تمام راوی قابلِ اعتماد ہیں۔ (۳۴)

حواشی وحوالہ جات

۱:- القاموس المحیط: ۳۷، ولسان العرب: ۳/ ۱۲۱

۲:- المنہل الروی: ۱/ ۸۱، الخلاصۃ فی أصول الحدیث للطیبی: ۳۳

۳:- نزہۃ النظر للحافظ ابن حجر: ۳۴، وفتح المغیث للسخاوی: ۱/ ۱۴

۴:- صحیح بخاری، کتاب الایمان: ۱/ ۱۲

۵:- توجیہ النظر لطاہر الجزائری: ۲۵، والإسناد من الدین لأبی غدۃ: ۱۴

۶:- جیسے کہتے ہیں: ''هذا الطريق مروي من طريق الثوري: أي من سنده'' المیسر فی علم الرجال، ماجد الغوری: ۱۶۰

۷:- ''والوجه'' جیسا محدثین کا قول: ''هذا الحديث حسن غريب من هذا الوجه'' اسی آخری تعبیر کا استعمال امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی ''جامع ترمذی'' میں زیادہ کیا ہے۔ المیسر فی علم الرجال، ماجد الغوری: ۱۶۰

۸:- ادب الاملاء والاستملاء: ۷

۹:- مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۲

۱۰:- معرفۃ علوم الحدیث، حاکم، ص: ۶

۱۱:- مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۲۱۸، الاسناد من الدین: ۳۰

۱۲:- محاضراتِ حدیث: ۲۱۷، ڈاکٹر محمود احمد غازی

۱۳:- فہرس الفہارس والأثبات للکتانی: ۱/ ۸۰

۱۴:- مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۵، وابن عدی: الکامل ۱/ ۳۹، وابن حبان: المجروحین من المحدثین: ۲/ ۲۷

۱۵:- مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۳

۱۶:- شرح علل الترمذی لابن رجب: ۱/ ۲۵۵

۱۷:- ابن عدی: ۱/ ۱۵۷

۱۸:- مقدمۃ ابن الصلاح: ۱/ ۳۸

۱۹:- ابن عدی: الکامل: ۱/ ۵۱

۲۰:- مصدرِ سابق: ۱/ ۵۱

۲۱:- المحدث الفاصل: ۱/ ۱۲، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرفۃ: ۵۰

۲۲:- حاکم معرفۃ علوم الحدیث: ۶

۲۳:- مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۵

۲۴:- مقدمہ صحیح مسلم: ۱/ ۱۳

۲۵:- ابن حبان: المجروحین من المحدثین: ۱/ ۹

۲۶:- الاجوبۃ الفاضلۃ: ۱۵۰

۲۷:- محاضراتِ حدیث: ۲۲۳

۲۸:- محاضراتِ حدیث: ۱۸۳-۱۸۵

۲۹:- شرف أصحاب الحدیث: ۴۰۔ خطیب بغدادی، وفتح المغیث للسخاوی: ۱/ ۳۳۱

۳۰:- الفصل فی الملل والأہواء والنحل لأبی محمد بن حزم: ۲/ ۸۲-۸۳

۳۱:- مجموعہ فتاوی شیخ الإسلام ابن تیمیۃ: ۱/ ۹، وأیضاً: منہاج السنۃ النبویۃ لہ: ۷/ ۳۷

۳۲:- اظہار الحق: ۱/ ۱۶۷-۱۰۹

۳۳:- اظہار الحق: ۱/ ۶۲۵-۴۲۵

۳۴:- مقدمۃ فوائد جامعۃ شرح عجالۃ نافعۃ: ۵۵-۵۶، مولانا ڈاکٹر عبد الحلیم چشتیؒ